فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

از: لطف الرحمٰن خان

نظر ثانی: حافظ نذیر احمد ہاشمی

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۲۷

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

ق ع د

قَعَدَ (ن) قُعُوْدًا : بیٹھنا۔ ﴿وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ (التوبۃ: ۹۰) ''اور بیٹھے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے''۔

اُقْعُدْ (فعل امر): تو بیٹھ۔ ﴿وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ (التوبۃ) ''اور کہا گیا تم لوگ بیٹھو بیٹھنے والوں کے ساتھ''۔

قَاعِدٌ: فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بیٹھنے والا۔ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ (المائدۃ) ''پس جائیں آپؐ اور آپؐ کا ربّ، تو دونوں قتال کریں، بیشک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں''۔

قُعُوْدٌ: یہ مصدر بھی ہے اور قَاعِدٌ کی جمع مکسر بھی ہے۔ یعنی اس کا معنی ''بیٹھنا'' بھی ہے اور ''بیٹھنے والے'' بھی ہے۔ ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴾ (التوبۃ) ''بیشک تم لوگ راضی ہوئے بیٹھنے پر پہلی مرتبہ، پس تم لوگ بیٹھو

پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔'' ﴿اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ﴾ (البروج) ''جب وہ لوگ اس پر (یعنی آگ پر) بیٹھنے والے ہیں۔''

قَاعِدَةٌ ج قَوَاعِدُ: یہ قَاعِدٌ کا مؤنث ہے۔ بیٹھنے والی۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) عمر رسیدہ خاتون۔ (۲) قاعدہ کلیہ' اصول۔ (۳) بنیاد۔ ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا﴾ (النور:۶۰) ''اور عمر رسیدہ خواتین عورتوں میں سے جو توقع نہیں کرتیں ... کی۔''

قَعِيْدٌ: یہ واحد' جمع' مذکر' مؤنث' سب کے لئے آتا ہے۔ فعیل کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ ہمیشہ بیٹھنے والا۔ محافظ۔ نگران۔ ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ (ق) ''جب لیا دو لینے والوں نے دائیں سے اور بائیں سے' وہ نگران ہیں (یعنی کراماً کاتبین فرشتے)۔''

مَقْعَدٌ ج مَقَاعِدُ: مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ بیٹھنے کی جگہ۔ ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ﴾ (التوبۃ:۸۱) ''خوش ہوئے پیچھے کئے گئے لوگ اپنے بیٹھنے کی جگہ سے۔'' ﴿تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ (آل عمران:۱۲۱) ''آپؐ بٹھاتے تھے مؤمنوں کو بیٹھنے کی جگہوں پر (یعنی مورچوں پر) قتال کے لئے۔''

ترکیب: ''اِبْرٰهٖمُ'' اور ''اِسْمٰعِيْلُ'' کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ دونوں ''يَرْفَعُ'' کے فاعل ہیں' ''الْقَوَاعِدَ'' مفعول ہے اور ''مِنَ الْبَيْتِ'' ''الْقَوَاعِدَ'' سے حال ہونے کی بنا پر مقام نصب میں ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: ''وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ كَائِنَةً مِنَ الْبَيْتِ''۔ ''رَبَّنَا'' میں ''رَبَّ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حرف نداء ''یا'' محذوف ہے۔ اور اس سے پہلے ''يَقُوْلَانِ'' بھی محذوف ہے۔ ان کا اسم ضمیر ''كَ'' ہے جبکہ ''اَنْتَ'' ضمیر فاصل ہے کیونکہ خبر معرف باللام ہے۔

ترجمہ

وَاِذْ: اور جب	يَرْفَعُ: بلند کر رہے تھے
اِبْرٰهٖمُ: ابراہیمؑ	الْقَوَاعِدَ: بنیادوں کو
مِنَ الْبَيْتِ: اس گھر کی	وَاِسْمٰعِيْلُ: اور اسماعیلؑ
رَبَّنَا: (تو وہ دونوں کہتے تھے) اے ہمارے رب	تَقَبَّلْ: تو قبول فرما

مِنَّا : ہم سے	اِنَّكَ اَنْتَ : بیشک تو ہی
السَّمِيْعُ : سننے والا	الْعَلِيْمُ: جاننے والا ہے

آیت ۱۲۸

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾﴾

ا م م

اَمَّ (ن) اِمَامَةً وَاَمًّا وَاِمَامًا ۔ الْقَوْمَ وَبِالْقَوْمِ : امام بننا۔

اُمَّةٌ :اُمت' جماعت' مدت' طریقہ' دین۔ ہر وہ جماعت جس کے ارکان میں کسی قسم کا کوئی رابطۂ اشتراک موجود ہو اُسے اُمت کہا جاتا ہے' خواہ یہ اتحاد مذہبی وحدت کی بنا پر ہو یا جغرافیائی اور عصری وحدت کی وجہ سے' اور خواہ اس رابطہ میں اُمت کے اپنے اختیار کو دخل ہو یا نہ ہو۔ اخفش نے تصریح کی ہے کہ اُمت باعتبار لفظ کے واحد ہے اور باعتبار معنی کے جمع۔ نیز حیوان کی ہر جنس ایک اُمت ہے۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری' ۱۹۸/۵' باب قول النبی ﷺ لا نکتب ولا نحسب) ابن درستویہ کا بیان ہے کہ جہاں بھی اُمت کے معنی مدت کے ہوں گے وہاں اس کا مضاف محذوف ہوگا اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو فتح القدیر للشوکانی' ۲۹/۳)۔ اس لحاظ سے ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ﴾ اور ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ میں لفظ ''زمن'' یا ''حین'' محذوف ہے۔ گویا اصل میں یوں تھا :اِلٰى زَمَنِ اُمَّةٍ مَعْدُوْدَةٍ اور بَعْدَ حِيْنِ اُمَّةٍ۔ زمن اور حین کو حذف کر کے مضاف الیہ یعنی لفظ اُمت کو اس کا قائم مقام سمجھا گیا۔

اُمت کے مجازی معنی طریقہ اور دین کے بھی آتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں: **فُلَانٌ لَا اُمَّةَ لَهٗ** ۔ یعنی فلاں کا کوئی دین اور طریقہ نہیں۔ (عمدۃ القاری' ۱۹۸/۵)

ن س ك

نَسَكَ (ن) نَسْكًا: درویش بننا۔ بندگی کرنا۔ قربانی کرنا۔

نُسُكٌ (اسم الفعل): قربانی۔ ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) ''بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا عرصۂ حیات اور عرصۂ موت اللہ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا ربّ ہے۔''

نَاسِكٌ (اسم الفاعل): بندگی کرنے والا۔ ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ﴾ (الحج: ٦٧) ''ہر ایک اُمت کے لئے ہم نے بنایا ایک بندگی کا طریقہ' وہ لوگ بندگی کرنے والے ہیں اس پر۔''

مَنْسَكٌ ج مَنَاسِكُ: مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ بندگی کرنے کی جگہ۔ استعارۃً بندگی کے طریقہ کے لئے آتا ہے۔ لفظ ''مَنْسَكٌ'' کے لئے متذکرہ بالا آیت (الحج: ٦٧) دیکھیں۔ ''مَنَاسِكُ'' کا لفظ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

ترکیب: ''وَاجْعَلْ'' کا مفعول اوّل ''نَا'' کی ضمیر ہے اور ''مُسْلِمَيْنِ'' مفعول ثانی ہے۔ ''وَ'' عطف ہے ''نَا'' ضمیر متکلم پر ''اجْعَلْ'' کے تحت ہے۔ ''مِنْ ذُرِّيَّتِنَا'' مفعول ثانی اور ''اُمَّةً مُّسْلِمَةً'' مفعول اوّل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ''اُمَّةً'' مفعول اوّل ہے ''مِنْ ذُرِّيَّتِنَا'' ''اُمَّةً'' کی صفت ہے جو مقدم ہونے کی بنا پر حال ہے اور ''مُسْلِمَةً'' مفعول ثانی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ''مِنْ ذُرِّيَّتِنَا'' اس کا مفعول اوّل اور مرکب توصیفی ''اُمَّةً مُّسْلِمَةً'' مفعول ثانی ہے۔ فعل امر ''اَرِ'' کا مفعول اوّل ''نَا'' کی ضمیر ہے اور مرکب اضافی ''مَنَاسِكَنَا'' مفعول ثانی ہے۔ اسی لئے ''مَنَاسِكَ'' منصوب آیا ہے۔

<u>ترجمہ</u>

رَبَّنَا : اے ہمارے ربّ	وَاجْعَلْنَا : اور تو بنا دے ہم دونوں کو
مُسْلِمَيْنِ : فرماں بردار	لَكَ : اپنا
وَ : اور (تو بنا دے)	مِنْ ذُرِّيَّتِنَا : ہماری نسل سے
اُمَّةً مُّسْلِمَةً : ایک فرماں بردار اُمت	لَّكَ : اپنی
وَ : اور	اَرِ : تو سمجھا دے
نَا : ہم کو	مَنَاسِكَنَا : ہماری بندگی کے طریقے
وَتُبْ عَلَيْنَا : اور تو توبہ قبول فرما ہماری	اِنَّكَ : بیشک تو
اَنْتَ التَّوَّابُ : ہی تو بار بار توبہ قبول کرنے والا	الرَّحِيْمُ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

آیت ۱۲۹

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ١٢٩﴾

ع ز ز

عَزَّ (ض) عِزًّا : مغلوبیت سے محفوظ ہونا' سخت ہونا۔

عَزَّ (ن) عَزًّا : کسی پر غالب آنا۔ ﴿ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴾ (صٓ) ''اور وہ غالب آیا مجھ پر بات میں۔''

عِزٌّ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ مغلوبیت سے حفاظت' پناہ' مدد۔ ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴾ (مریم) ''اور ان لوگوں نے بنایا اللہ کے علاوہ ایک الٰہ تاکہ وہ ہو اُن کے لئے ایک پناہ۔''

عِزَّةٌ (اسم ذات): (۱) سختی' بے جا خودداری' گھمنڈ (۲) غلبہ' عزت۔ ﴿ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴾ (صٓ) ''جن لوگوں نے کفر کیا وہ گھمنڈ اور مخالفت کرنے میں ہیں۔'' ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ﴾ (فاطر:۱۰) ''جو چاہا کرتا ہے عزت کو' تو عزت کُل کی کُل اللہ کے لئے ہی ہے''۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو عزت اللہ تعالیٰ سے حاصل نہ ہو وہ سراسر ذلت ہے (مفردات)۔

عَزِيْزٌ ج اَعِزَّةٌ : فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ (۱) سخت' بھاری' گراں (۲) غالب' بالادست (جس کے اختیارات پر کوئی تحدیدات (limitations) نہ ہوں) ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ (التوبۃ:۱۲۸) ''آ چکا ہے تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے' گراں ہے اس پر وہ جس سے تم لوگ مشکل میں پڑو۔'' ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدۃ:۵۴) ''نرم ہیں مؤمنوں پر' سخت ہیں کافروں پر۔'' ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (العنکبوت) ''بیشک وہی بالادست حکمت والا ہے۔''

اَعَزُّ : افعل التفضیل ہے۔ زیادہ سخت' زیادہ عزت والا۔ ﴿ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ (المنافقون:۸) ''لازماً نکالے گا زیادہ عزت والا اس میں سے زیادہ ذلت والے کو۔''

عُزّٰى : فُعْلٰى کے وزن پر افعل التفضیل کا مؤنث ہے۔ زیادہ سخت۔ زیادہ عزت والی۔ ''اَلْعُزّٰى'' ایک بُت کا نام۔ ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴾ (النجم) ''کیا تم نے دیکھا لات اور عزیٰ کو (بتوں کے نام)؟''

اَعَزَّ (افعال) اِعْزَازًا : کسی کو عزت دینا۔ ﴿ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ (آل عمران:۲۶) ''اور تو عزت دیتا ہے اس کو جس کو تو چاہتا ہے اور تو ذلت دیتا ہے اس کو جس کو تو چاہتا ہے' تیرے ہاتھ میں کُل خیر ہے۔''

عَزَّزَ (تفعیل) تَعْزِیْزًا : کسی کو سخت کرنا' قوت دینا۔ ﴿ اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ (یٰسٓ:١٤) ''جب ہم نے بھیجا ان کی طرف دو کو تو اُن لوگوں نے جھٹلایا دونوں کو' تو ہم نے تقویت دی تیسرے سے۔''

ترکیب : فعل امر ''اِبْعَثْ'' کا مفعول ''رَسُوْلًا'' ہے۔ فِیْهِمْ میں هُمْ کی ضمیر کا مرجع اُمَّۃ ہے۔ پھر اُمت میں اگرچہ تاء تانیث لگی ہے' لیکن چونکہ معنی مذکر ہے اس لئے ضمیر مذکر ''هُم'' کی لوٹائی گئی۔ رَسُوْلًا نکرہ موصوفہ ہے' صفت ''مِنْهُم'' ہے۔ تقدیر عبارت ''یَتْلُوْ رَسُوْلًا کَائِنًا مِّنْهُمْ عَلَیْهِمْ'' سے لے کر ''یُزَکِّیْهِمْ'' تک یا تو صفت ہے یا حال ہے۔ ''یَتْلُوْا'' ''یُعَلِّمُ'' اور ''یُزَکِّیْ'' تینوں افعال مضارع ہیں' لیکن یہ دعا میں آئے ہیں' اس لئے ترجمہ میں اس کا لحاظ کرنا ہوگا۔

ترجمہ

رَبَّنَا : اے ہمارے رب	وَابْعَثْ : اور تو بھیج
فِیْهِمْ : ان میں	رَسُوْلًا : ایک ایسا رسول
مِّنْهُمْ : ان میں سے	یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ : جو پڑھ کر سنائے ان کو
اٰیٰتِکَ : تیری آیات	وَیُعَلِّمُهُمُ : اور جو تعلیم دے ان کو
الْکِتٰبَ : کتاب کی	وَالْحِکْمَۃَ : اور حکمت کی
وَیُزَکِّیْهِمْ : اور جو تزکیہ کرے ان کا	اِنَّکَ : بیشک تو
اَنْتَ الْعَزِیْزُ : ہی تو بالادست	الْحَکِیْمُ : حکمت والا ہے

نوٹ (١) : آج کے دور میں ہمارے لئے اس آیت میں کیا راہنمائی ہے' اس کو سمجھ لیں۔ '' یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ '' میں قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا شامل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام' ہدایات اور ترغیبات دی ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی مرضی اور منشا کیا ہے' حضور ﷺ اس کی تعلیم دے گئے ہیں' اس لئے تعلیم کتاب میں ہمارے لئے احادیث کو بھی سمجھ کر پڑھنا شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام میں کیا حکمت مضمر ہے' یعنی ان احکام کے '' کیوں اور کیسے'' کی وضاحت بھی حضور ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کر گئے ہیں' جس کا لب لباب یہ ہے کہ ان احکام پر ہمارے عمل کرنے یا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی کمی ہوتی ہے' بلکہ یہ احکام صرف اور صرف انسان کی عارضی اور دائمی' دونوں زندگیوں کی

بھلائی کے لئے دیئے گئے ہیں۔ یہ حقیقت اگر ذہن نشین ہو جائے تو پھر ان احکام پر عمل کرنا ہلکا اور آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے تعلیمِ حکمت میں ہمارے لئے سیرت اور آثارِ صحابہ کا مطالعہ شامل ہے۔

نوٹ (۲): اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ آگے چل کر تین مقامات (البقرۃ: ۱۵۱۔ آل عمران: ۱۶۴۔ الجمعۃ: ۲) پر اس دعا کی قبولیت کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہی الفاظ کو دہرایا ہے' البتہ ان کی ترتیب میں ایک تبدیلی کی ہے جو غور طلب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ترتیب یہ ہے: (۱) تلاوتِ آیات' (۲) تعلیمِ کتاب' (۳) تعلیمِ حکمت اور (۴) تزکیہ۔ دعا کی قبولیت کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ ترتیب رکھی ہے: (۱) تلاوتِ آیات' (۲) تزکیہ' (۳) تعلیمِ کتاب اور (۴) تعلیمِ حکمت۔ مذکورہ تبدیلی پر غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے اسے سمجھ لیں۔

ایسے عقائد و نظریات جو اس کائنات کی صداقتوں پر مبنی نہ ہوں' انسان کے اندر حُبِّ دنیا اور پھر حُبِّ عاجلہ کو جنم دیتے ہیں' جس کے نتیجے میں پھر انسان اپنی فطرت کی پکار کا گلا گھونٹنا شروع کر دیتا ہے۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے سے انسان کے سامنے وہ عقائد و نظریات آتے ہیں جو اس کائنات کی صداقتوں پر مبنی ہیں۔ ان سے انسان کی فطرت کی پکار کو تقویت حاصل ہوتی ہے' جس کے نتیجے میں اس کے اندر تقویٰ کا جذبہ ابھرتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔ یہ اصل تزکیہ ہے اور اس کا ذریعہ قرآن مجید ہے۔

تقویٰ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا معلوم کرنے کی جستجو پیدا ہوتی ہے۔ پھر زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کے لئے مطلوبہ قوتِ عمل بھی تقویٰ کا جذبہ ہی فراہم کرتا ہے۔ اس طرح انسان اللہ کے احکام پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے' خواہ ان کی حکمت اس کی سمجھ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اس لئے تعلیمِ کتاب کو تزکیہ کے بعد اور تعلیمِ حکمت سے پہلے رکھا گیا ہے۔

تعلیمِ حکمت ایک اضافی سہولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہے۔ جیسے آخرت پر ایمان اور یقین ہوتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اطمینانِ قلب کی درخواست کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ (دیکھئے البقرۃ: ۲۶۰) اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اپنے اعمال کی جواب دہی اور نتائج کے لئے انسان پر حجت اس کی

عقل نہیں بلکہ اس کی فطرت ہے' جس کے ساتھ اسے اس امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے۔ فطرت کے ساتھ اسے عقل بھی دی جاتی ہے اور قرآن مجید عقل کی نفی نہیں کرتا' البتہ وہ ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ اور قرآن نے عقل کو فطرت کے ماتحت رکھا ہے۔

نوٹ (۳): ایک رائے یہ ہے کہ اس آیت میں حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کا بیان ہے۔ لیکن میرا ذہن اس رائے کو ترجیح دیتا ہے کہ اس آیت میں آپؐ کے مقصدِ بعثت کو پورا کرنے کا طریقۂ کار (Modus Operendi) کا بیان ہے' جبکہ آپ ﷺ کے مقصدِ بعثت کا بیان التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' اور الصّف:۹ میں آیا ہے۔

آیت ۱۳۰

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

ر غ ب

رَغِبَ (س) رَغَبًا: (۱) خواہش کرنا' (۲) التجا کرنا' مانگنا۔ اس معنی میں عموماً ''اِلٰی'' کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ (۳) اعراض کرنا' منہ موڑنا۔ اس معنی میں عموماً ''عَنْ'' کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ (النساء:۱۲۷) ''اور تم لوگ چاہتے ہو کہ نکاح کرو اُن عورتوں سے۔''

رَاغِبٌ: فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ چاہنے والا' التجا کرنے والا' اعراض کرنے والا۔ ﴿ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝﴾ (التوبۃ) ''بیشک ہم اللہ سے التجا کرنے والے ہیں۔'' ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ﴾ (مریم:۴۶) ''کیا اعراض کرنے والا ہے تو میرے معبودوں سے اے ابراہیم؟''

اِرْغَبْ (فعل امر): تو مانگ' التجا کر۔ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝﴾ (الانشراح) ''پس جب بھی فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے ربّ سے مانگ۔''

ص ف و

صَفَا (ن) صَفْوًا: کسی چیز کا ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہونا' صاف ہونا۔

صَفْوَانٌ: چکنا پتھر (جو مٹی وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہو)۔ ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾ (البقرۃ:۲۶۴) ''تو اس کی مثال ایک چکنے پتھر کی مانند ہے جس پر کچھ مٹی ہو۔''

اَلصَّفَا : خانہ کعبہ کے پاس ایک پہاڑی کا نام (اس پہاڑی کا پتھر بالکل صاف اور چکنا ہے۔﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۵۸) ''بیشک صفا اور مَروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔''

اَصْفٰی (افعال) اِصْفَاءً : کسی کو آمیزش سے پاک کرنا' یعنی دوسروں سے الگ کر کے کسی کو کسی چیز یا کسی کام کے لئے مخصوص کرنا۔ ﴿اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ﴾ (بنی اسرائیل:۴۰) ''تو کیا مخصوص کیا تم لوگوں کو تمہارے ربّ نے بیٹوں کے لئے۔''

صَفّٰی (تفعیل) تَصْفِیَۃً : کسی چیز کو آمیزش سے پاک کرنا' صاف کرنا۔

مُصَفًّی (اسم المفعول) : صاف کیا ہوا۔ ﴿وَاَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ﴾ (محمد:۱۵) ''اور نہریں ہیں صاف کی ہوئی شہد کی۔''

اِصْطَفٰی (افتعال) اِصْطِفَاءً : کسی کو اپنے لئے خاص کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ دو معانی میں آتا ہے: (۱) چن لینا۔ (۲) منتخب کرنا۔ (۳) کسی کو دوسروں پر ترجیح دینا' پسند کرنا۔﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (الحج:۷۵) ''اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے کچھ رسول اور انسانوں میں سے۔''﴿اَصْطَفَی الْبَنَاتِ عَلَی الْبَنِیْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ (الصّٰفّٰت) ''کیا اُس نے ترجیح دی بیٹیوں کو بیٹوں پر؟''

مُصْطَفٰی (اسم المفعول) : چنا ہوا' پسند کیا ہوا۔ ﴿وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ﴿۴۷﴾﴾ (صٓ) ''اور بیشک وہ سب ہمارے پاس چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں۔''

ترکیب : ''یَرْغَبُ'' مرفوع آیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ''مَنْ'' شرطیہ نہیں بلکہ استفہامیہ ہے۔ ''مَنْ'' مبتدأ ہے اور ''یَرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰھٖمَ'' جملہ فعلیہ بن کر ''مَنْ'' کی خبر ہے۔ ''اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ'' ''مَنْ'' مستثنیٰ ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا ''یَرْغَبُ'' کی ضمیر سے بدل ہونے کی بنا پر حالت رفع میں ہے۔ ''مَنْ'' نکرہ موصوفہ ہے یا بمعنی ''اَلَّذِیْ'' ہے۔ ''نَفْسَہٗ'' سَفِہَ کا مفعول ہے' کیونکہ ''سَفِہَ'' بمعنی ''جَھِلَ'' ہے۔ اور تقدیرِ عبارت یوں ہے: ''اِلَّا مَنْ جَھِلَ خَلْقَ نَفْسِہٖ'' اس لئے ''نَفْسَہٗ'' تمیز نہیں ہے' کیونکہ تمیز اسم نکرہ جبکہ یہ اسم معرفہ ہے۔ اگرچہ فراء نے اس کو تمیز ہی مانا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ''نَفْسَہٗ'' منصوب بنزع الخافض ہے اور عبارت یوں ہے: سَفِہَ فِیْ نَفْسِہٖ۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ سَفِہَ کو متعدی بِنَفْسِہٖ نہ مانا جائے۔ لیکن ثعلب اور مبرد نے اس کو متعدی بنفسہ ہی لکھا ہے۔ تو اس صورت میں نَفْسَہٗ ' سَفِہَ کا مفعول بنے گا۔

''اصْطَفَيْنٰهُ'' میں ''ہُ'' کی ضمیر ابراہیمؑ کے لئے ہے۔

ترجمہ

وَمَنْ : اور کون	يَّرْغَبُ عَنْ : اعراض کرتا ہے
مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ : ابراہیمؑ کے دین سے	اِلَّا مَنْ : سوائے اس کے جو
سَفِهَ : بیوقوف ہوا	نَفْسَهٗ : بلحاظ اپنے نفس کے
وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ : اور ہم نے چنا ہے اس کو	فِي الدُّنْيَا : دنیا میں
وَاِنَّهٗ : اور یقیناً وہ	فِي الْاٰخِرَةِ : آخرت میں
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ : صالحین میں سے ہے	

آیت ۱۳۱

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

ترکیب : ''اِذْ'' یا تو ''اصْطَفَيْنٰهُ'' کا ظرف ہے' یا ''فِي الدُّنْيَا'' سے بدل ہے' یا اس سے پہلے ''اُذْكُرْ'' فعل محذوف ہے۔ ''اِذْ قَالَ'' میں ''قَالَ'' کا فاعل ''رَبُّهٗ'' ہے۔ اس میں ''ہُ'' کی ضمیر اور ''لَهٗ'' کی ضمیر' دونوں حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہیں' جن کا ذکر گزشتہ آیت میں آیا ہے۔ ''اَسْلِمْ'' کے بعد ''قَالَ'' کا فاعل اس میں شامل ''هُوَ'' کی ضمیر ہے اور یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہے۔ ''الْعٰلَمِيْنَ'' پر لامِ جنس ہے۔

ترجمہ

اِذْ قَالَ : جب کہا	لَهٗ : اس سے
رَبُّهٗ : اس کے ربّ نے	اَسْلِمْ : تو فرمانبردار ہو
قَالَ : (تو) اس نے کہا	اَسْلَمْتُ : میں فرماں بردار ہوا
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ : تمام جہانوں کے ربّ کے لئے	

نوٹ (۱) : غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ''اَسْلَمْتُ لَكَ'' نہیں کہا۔ شاید اس لئے کہ اس میں احسان رکھنے کا پہلو ہے۔ جیسے آج کل کے ماتحت اپنے افسر کی فرمانبرداری کر کے اس پر احسان دھرتے ہیں۔ اس لئے ''لَكَ'' کے بجائے ''لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کہہ کر واضح کر دیا کہ انہوں نے فرمانبرداری اپنی ضرورت اور اپنے مفاد میں قبول کی ہے' کسی پر احسان نہیں کیا ہے۔